

دعوتِ اسلامی اور کامیابی کا تصور

جناب اسعد گیلانی صاحب

ہر کام کے آغاز کے ساتھ ہی اس کے کامیاب انجام کا مسئلہ ایسا نہیں ہے جسے نظر انداز کر کے کام کیا جاسکے۔ کام کا بہتر آغاز کرنے والا اس کے خوشتر انجام کی توقع بہر حال رکھتا ہے اور تعاون کرنے والا دل سے یہ ضرور چاہتا ہے کہ اس کے تعاون کا نتیجہ کامیابی کی خوشخبری کی صورت میں اس کے سامنے ظاہر ہو۔ کامیابی کے مختلف تصورات | لیکن دعوتِ اسلامی کا میدان کامیابی کے صرف ایک ہی مروجہ مفہوم کا پابند نہیں ہے کہ جو کچھ چاہا جاتے اسے اس دنیا میں مادی طور پر حاصل کر لیا جائے۔ اس میدان میں کامیابی کے اس سے مختلف مفہوم بھی مروج ہیں۔

اللہ کی شرعی حاکمیت کے مفہوم و مدعا سے بے خبر، اس کے نفاذ و اجراء سے بے پروا، اور خدائی حکام سے بے نیاز، بگڑے ہوئے فتنہ پرداز انسانی معاشرے میں دعوتِ اسلامی کا آغاز ایک انقلابی دعوت کا اعلان ہوتا ہے۔ یہ دعوت پیش کرنے والا بالعموم ایک نئی قوم کے تئیں سے اس دعوت کا آغاز کرتا ہے اور تدریج و ترتیب سے ہی اس کے ساتھیوں اور رفیقوں میں کم و بیش اصناف ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے یہ ساتھی بھی بنیادی طور پر اسی انقلابی دعوت کے مبلغ ہوتے ہیں اور اس تبلیغ کے نتیجے میں معاشرے میں سے اپنے ہم خیال افراد کو چھانٹ چھانٹ کر اپنے ساتھ ملاتے رہتے ہیں۔ اس معاشرے میں دعوتِ اسلامی کے اولین داعی اور پھر اس کے ساتھیوں کا اپنے سارے ممکن ذرائع و وسائل کے ساتھ عوام تک اپنی بات پہنچانے اور سمجھانے کی تمام تدابیر اختیار کرنا اور پھر عمر بھر اپنے موقف کو احسن سے احسن طریقے پر ان کے سامنے پیش کرتے رہنا اور بد سے بدتر حوصلہ شکن حالات میں بھی ہمت نہ ہارنا، اور حق بات کہتے، پھیلانے اور پہنچاتے رہنا بجائے خود بہت بڑی کامیابی ہے، چاہے اس کے ظاہری نتائج چند افراد کی اصلاح تک ہی محدود ہوں، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چند حواریوں کے درمیان ہی دعوتِ محصور ہو کر رہ گئی تھی۔

یوں دعوت کو پوری مستقل فراہمی سے پیش کرتے رہنا بھی بجاتے خود بہت بڑی کامیابی ہے۔

اجتماعی تبدیلیوں کا انحصار مثبتِ الہی کے اُن فیصلوں پر مبنی ہوتا ہے جو قوموں میں بناؤ اور بگاڑ کے متعین اصولوں کے مطابق نافذ ہوتے ہیں اور جن کا نشا انسانی معاشرے کو قابلِ برداشت حالات میں قیامت تک کی ایک مدت معینہ تک زمین پر آباؤ رکھنا ہے۔ ایسے حالات میں تبدیلی کی خواہاں ہر تحریک چاہے وہ اسلامی ہو یا غیر اسلامی، معاشرے کے پُر امن وجود کو برقرار رکھنے اور انسانی آبادیوں کو قابلِ رہائش رکھنے کی پابندی کے تحت ہی عملاً نتیجہ خیز یا بے نتیجہ ہوتی ہے۔

البتہ دعوتِ اسلامی کی تحریک چونکہ انسانی زندگی کے لیے دین و دنیا دونوں پر محیط ہوتی ہے اور اس کا وجود دنیا سے آخرت تک کے نتائج سے بحث کرتا ہے اس لیے اس کا تصور کامیابی وسیع تر مفہوم کا حامل ہوتا ہے دنیا میں نظامِ اسلامی کا قیام اور اللہ کے دین کا غلبہ اور آخرت میں رضائے الہی کا حصول۔ اس طرح دعوتِ اسلامی کے ایک کام کے نتیجے میں عملاً دو کامیا بیاں اس کے پیش نظر ہوتی ہیں۔ دنیوی اور مادی کامیابی کا تعلق غلبہ اسلام سے ہوتا ہے جو دنیا کے مادی اسباب کے تحت ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ لیکن جہاں تک رضائے الہی کے حصول کا تعلق ہے وہ کسی مادی کامیابی کے حصول سے مشروط نہیں ہے۔ وہ تو بندے کے اخلاصِ عمل اور وفاداری بشرطِ استنوار کی قدر افزائی پر مبنی ہے۔ اس لیے دنیا کی سیاسی تحریک کی ناکامی مومن کو رضائے الہی کے حصول کی کامیابی سے نہیں روک سکتی۔ بلکہ بعض حالات میں تو اس کے حصول میں مددگار و معاون بن جاتی ہے۔ مومن کی زندگی میں کامیابی کا یہ اخروی تصور عمل کے دائرے میں بہت وسیع اثرات رکھتا ہے اہمیت دین کا کام بجاتے خود ایک فریضہ اور عبادتِ الہی ہے۔ مومن عمر بھر فریضہ نماز ادا کرتا ہے لیکن اس کے لیے دنیا میں زندگی بھر کسی بدلے کی کوئی امید اور آرزو نہیں رکھتا۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کرتا اور حج کا پُرصورت سفر اختیار کر کے نہایت محنت سے کمایا ہوا مال صرف کرتا ہے۔ لیکن اس مال اور مشقت کے بدلے میں بھی اس دنیا میں کسی بدلے کی طلب نہیں رکھتا، بلکہ جو کچھ چاہتا ہے اللہ سے چاہتا ہے اور اس کے پاس جا کر آخرت میں ہی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اسی طرح فریضہ اقامت دین بھی ایک عبادت ہے جسے ہمیشہ انبیاء اور صالحین ادا کرتے رہے ہیں اور مومن اس جدوجہد اور عبادت کا اجر بھی خدا سے ہی چاہتا ہے اور آخرت میں ہی چاہتا ہے۔ شاید یہی وہ ناثر تھا جس کے تحت حضرت عمر و بن العاص نے فرمایا تھا کہ ”ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو ہمارا عمل واضح اور اللہ سے امیدیں بہت تھیں۔ آئے کاش کہ ہم اُس دور میں ہی اس دنیا سے اٹھ گئے ہوتے بعد

کی کامیابیوں نے تو معاملہ مخدوش کر دیا ہے۔“

دنیا میں صالحین کے ذریعے نظامِ اسلامی کے غلبے والی کامیابی اللہ کے نزدیک اتنی بے حقیقت اور ناقابلِ انتفاع ہے کہ اُس نے اپنے قرآن میں اپنے ہی بھجے ہوئے جن انبیاء کا تذکرہ کیا ہے ان میں کثیر تعداد صرف اُن اولوالعزم انبیاء کرام کی ہے جو عمر بھر اپنا فرضیہ دعوتِ اسلامی ادا کرتے رہے لیکن ذبیحی غلبے سے محرومی کی حالت میں ہی اپنے مالک کے پاس چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کا اپنے قرآن میں جا بجا متعدد بار بے تکلف تذکرہ فرمایا ہے، اور اس بات کی قطعی پروا نہیں کی کہ بعد میں آنے والے مومنین دعوتِ اسلامی کی ذبیحی مادی ناکامی کی اتنی کثیر مثالوں سے بد دل ہو جائیں گے۔ بلکہ ان مثالوں کو اپنے مخلص و خادار اور محسن بندوں کے انتخاب و تربیت کا ذریعہ بنایا ہے۔ اور ان کے سامنے یہ حقیقت واضح کر کے رکھ دی ہے کہ حقیقی کامیابی آخرت کی کامیابی ہے اور زندہ مومن کو اپنا سارا زور آخرت کی زندگی اور اس کی بہتری اور اخروی انعامات کے حصول کی سعی پر ہی صرف کرنا چاہیے۔

حضور نے فرمایا: دنیا کی مثال آخرت کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی ایک انگلی دریا میں ڈال کر نکال لے پھر دیکھے کہ پانی کی کتنی مقدار اس میں لگ کر آئی ہے۔ (صحیح مسلم)

دوسرے موقع پر آخرت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے حضور نے سمندر میں سے چڑیا کے چونچ بھر پانی کو آخرت اور دنیا کی نسبت کے طور پر بیان فرمایا اور اخروی انعام کا ذکر اس طرح فرمایا کہ:

”جنت میں ایک کوڑا رکھنے کی جگہ دنیا اور دنیا کے سر و سامان سے بہتر ہے“ (بخاری)

اس سلسلے میں ایک تمثیل بھی حضور نے پیش فرمائی:-

”فرمایا: دنیا کے سب سے خوش حال آدمی کو لایا جائے گا اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا پھر جب آگ اس کے جسم پر اپنا پورا اثر دکھائے گی تب اس سے پوچھا جائے گا کہ کبھی تو نے اچھی حالت بھی دیکھی ہے؟ تجھ پر کبھی عیش و آرام کا زمانہ بھی آیا ہے؟ وہ کہے گا نہیں، تیری قسم اُسے میرے رب، کبھی نہیں۔ پھر دنیا میں انتہائی تنگی کی حالت میں زندگی گزارنے والے شخص کو لایا جائے گا۔ جب اس پر جنت کی نعمتوں کا رنگ خوب چرھ جائے گا تب اس سے پوچھا جائے گا کہ تو نے کبھی تنگی بھی دیکھی ہے؟ کبھی تجھ پر تکلیف کا دور بھی گزرا ہے؟ وہ کہے گا اُسے میرے رب، میں کبھی تنگ دستی اور محتاجی میں گرفتار نہیں ہوا۔ میں نے تکلیف کا کوئی دور کبھی نہیں دیکھا۔“ (صحیح مسلم)

حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی اسلامی دعوت کی دنیوی کامیابی کے لیے شمار اسباب میں ایک یہ راز بھی مضمون ہے کہ حضور قیامت تک کے لیے آخری نبی ہیں حضور کا لایا ہوا دین قابلِ عمل اور قابلِ اتباع ہے اور ہر دور میں اس کے غلبے کے لیے عام معمول کے مطابق عملی جدوجہد کی جاسکتی ہے۔ اس طرح یہ دنیوی فلاح اور آخری نجات کا وہ بہترین عملی نسخہ ہے جس پر عمل کر کے دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے اور مومنین پر لازم ہے کہ وہ اس کام کے لیے عملی جدوجہد کریں اور حسبِ استعداد اور حسبِ توفیق کامیابیاں حاصل کریں۔ اس لیے کہ صرف یہی ایک ایسا کام ہے جس میں اولین اقدام کے ساتھ ہی کامیابی کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ چند افراد تک دعوت پہنچا کر دنیا سے رخصت ہو گئے تو بھی کامیابی ہے۔ کامیابی خارجی مظاہر سے زیادہ اخروی نتائج کے ساتھ وابستہ ہے اور اس راہ پر چلنے والا کوئی ایک شخص بھی اخروی کامیابی کو چھوڑ کر صرف دنیوی کامیابی کے حصول پر مہم نہیں ہو سکتا۔ دعوتِ اسلامی کے علم برداروں میں سے ہر شخص کے سامنے اگر دونوں میں سے ایک ہی کامیابی دی جاتی ہے تو ان میں سے کوئی نہ ملے گا جو اخروی کامیابی پر دنیا کی بادشاہت کو ترجیح دے سکے یہی اُسوہ انبیاء ہے اور دعوتِ اسلامی کے سب علم بردار ہر دور میں پورے شہر کے صدر کے ساتھ اسی اُسوہ کے پیروکار ہوتے ہیں ہر فرد کی کامیابی اس کے اپنے فریضے کی ادائیگی کے معیار کے مطابق جانچی جاتی ہے نہ کہ کسی دوسرے کی کارکردگی کی نسبت سے۔ دعوتِ دین کے علم بردار اور دعوتِ اسلامی کے پہلے فریضہ حق بات کو دوسروں تک احسن طریقے کے ساتھ پہنچا دینا ہے اور اسی کام کے تعطُّلِ نظر سے وہ جانچا جائے گا کہ کیا اس نے اپنی رسائی کی حد کے اندر قوم کے فرد فرد تک دعوت پہنچائی؟ احسن طریقے پر پہنچائی؟ تمام مشکلات کو صبر کے ساتھ برداشت کر کے اور تمام مخالفتوں کے باوجود پہنچائی؟ اور اس راستے کی تمام فراہمتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا؟ اگر اس نے یہ کام اپنے ضمیر کی طمانیت، اپنے رفقاء کے اعتماد و اعتراف اور اپنے دعوتی نظم کے اطمینان کی حد تک کر لیا تو وہ اپنے فرض کی انجام دہی میں کامیاب ہو گیا۔ جہاں تک اس دعوت کو قبول کرنے یا رد کرنے، اور قبول کرنے کی صورت میں موافقت، یا رد کرنے کی صورت میں مخالفت کا تعلق ہے یہ داعی کا نہیں مخاطب کا دائرہ کار ہے، اور ظاہر ہے کہ جس مقام سے خدا کے سامنے جواب دہی کا وہ دائرہ شروع ہوتا ہے جس کا تعلق دعوتِ دین کے کارکن سے نہیں ہے، اس کی کوئی ذمہ داری اس پر عائد نہیں ہوتی۔ دعوت کو قبول کرنے یا قبول نہ کرنے کا ثواب و عذاب داعیٰ حق کا نہیں بلکہ مخاطب قوم کا خود اپنا حصہ ہے۔ اگر داعیٰ حق کے مخاطب کچھ لوگ دعوت سن کر اسے اعترافِ حق کی حد تک قبول کرتے ہیں یا اس سے آگے بڑھ کر رفاقت کرنے

اور اس رشتے میں ایشیا و قمرانی بھی کہتے ہیں تو یہ ان لوگوں کی اپنی کامیابی ہے۔ اور اگر دعوتِ دین سے منہ موڑ کر جہنم کے گڑھے اور غضبِ الہی کا رخ کرتے ہیں تو یہ بھی ان کی اپنی نیا ہی اور ناکامی ہے۔ داعیِ حق اپنا فریضہ ادا کر دینے کے بعد دونوں صورتوں میں کامیاب ہے۔

غلبہٴ اسلام بھی مطلوب ہے | کامیابی اور ناکامی کی ان اخلاقی تعبیرات کے باوجود دعوتِ دین کی یہ کامیابی کہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام و فرامین اللہ کے بندوں پر بالفعل نافذ ہوں ایسی دلفریب، دل خوش کن اور خوشگوار صورتِ حال ہے جسے مکمل کامیابی سے ہی تعبیر کیا جاسکتا ہے، اور ایک بندہ حق جو بہر حال میں راضی برضا رہنے کا ہی عادی ہے اس کے دل کی گہرائیوں کی آواز بھی یہی ہوتی ہے کہ کاش اللہ کا دین اس کی زمین پر کامل صورت میں نافذ ہو۔ مومن کی جدوجہد کا شاندار نتیجہ یہی ہے کہ اللہ کے بندوں پر صرف اللہ کا قانون ہی جاری ہو۔ صرف مالک کے سامنے ہی سر جھکا یا جائے اور سارے طاغوتوں کو سرنگوں کر کے قلب و نظر کے کعبے میں سے ایک ایک بٹ بٹ لٹناز کو رخصت کر دیا جائے اور بادشاہی اور حکم سارے کا سارا صرف اللہ کا ہی ہو کر رہے۔ یہ وہ آخری اور کامل صورت ہے جس کے لیے دل تڑپتا ہے، آنکھوں میں آنسو چھلکتے، سینے میں جذبے انگڑائیاں لیتے اور جذبات مشتعل ہو کر اس کی آمد کا انتظار کرتے ہیں۔

قرآنی تاریخ کی گواہی | لیکن انبیاء کی قرآنی تاریخ اس حقیقت پر گواہ ہے کہ آخری اور کامل کامیابی انسانی تاریخ کی عظیم اسلامی تحریک، حضور اکرم کی جماعت کو ہی حاصل ہوئی۔ اور یہ کامیابی بھی یہی گواہی دیتی ہے کہ داعیِ حق بہر حال اپنے ساتھیوں کی رفاقت اور مدد سے ہی حالات کے سینے میں سے کوئی نتیجہ پیدا کر سکتا ہے۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ داعی کے ساتھیوں اور تحریک کے کارکنوں کی تعداد، استعداد، صلاحیت، اخلاص، ایشیا و قمرانی، اور بنیادی انسانی صفات اور اسلامی دعوتی خصوصیات اس معرکے میں فیصلہ کن ہوتی ہیں۔ نظامِ زندگی بدلنے کا یہ اجتماعی کھیل ایسا ہے جس کو ایک باصلاحیت ٹیم کے بغیر کوئی کپتان اکیلا نہیں کھیل سکتا۔ کپتان تو ہدایات دے سکتا ہے۔ اعلیٰ منصوبہ بندی کر سکتا ہے۔ مخالف ٹیم کی پالیسی سمجھ کر اس کا ٹوڑ کر سکتا ہے۔ لیکن وہ اپنے ساتھیوں کی جگہ خود نہیں کھیل سکتا۔ خود تو وہ اپنی جگہ ہی کھیل سکتا ہے اور اپنا کردار ہی ادا کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ کام دھوکے، چال بازی، شعبہ بازی، اور دغا فریب کا بھی نہیں ہے کہ تنہا ایک فرد وقتی طور پر لوگوں کو نظر فریبی میں مبتلا کر کے ایک نتیجہ نکال کر دکھا دے۔ بلکہ یہ کام تو سیدھا سادھا انسانی اصلاح کے لیے عملی جدوجہد کا فطری کام ہے جو کسی گروہ کی اجتماعی جدوجہد کی تعداد اور جدوجہد کرنے والے افراد

کی استعداد کے مشترک سہرا تھے سے نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ اس سلسلے میں انسانی تاریخ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوش قسمت ترین داعی تھے ہیں کہ انہیں اپنے دور کا بہترین انسانی سرمایہ میسر آیا اور حضور نے بھی اس سرمائے سے خوب خوب کام لیا۔ چُن چُن کر اپنی ضرورت کے آدمیوں کو لیا اور جو آگے بڑھ کر اس جدوجہد میں شریک ہوئے ان میں سے ایک ایک فرد انسانی معاشرے کا کل ٹہر سبب تھا۔ تحریک کے لیے ایتار و قربانی میں کوئی کسی سے پیچھے نہ تھا۔ اپنے ہی افرادِ خانہ، افرادِ خاندان، اور برادری اور قوم کے لوگوں سے لڑ جانا اور تلواریں سوت کر انسانی مقتل میں نکل آنا کوئی معمولی کھیل تماشہ نہیں ہے۔ اپنے آباؤ بھرے شہروں کو بیک وقت بہ حیثیتِ عمت چھوڑ جانا اور ان میں سے کسی ایک فرد کا بھی قربانی سے پیچھے نہ رہنا کوئی معمولی ایتار نہیں ہے۔ اپنے معاشی مفادات اور چودھراہٹوں پر لالت مار کر فقیر اور درویش بن کر نکل کھڑے ہونا کوئی مذاق نہیں ہے۔ یہ امتحانات ساری جماعت کے فرد فرد نے دیئے اور سارے ہی کارکن ان سارے ہی امتحانات میں کامیاب و کامران نکلے۔ جب ایسے ایتار پیشہ کار کن ہیں اور اتنی بڑی تعداد میں موجود ہوں تو پھر ان کو دوسری کامیابی سے کیوں نہ نوازا جاتا۔

تین مطلوب چیزیں: اخلاص - ایتار و قربانی اور استقامت | نظریہ کا مطالعہ کر لینا، اسے بیان کر لینا اور پھر اس کے لیے دلولہ انگیز پر جوش تقاریر کر لینا تو چشم و گوش و زبان کا کام ہے لیکن نظریے کے لیے دامن جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہونا اور زبانِ حال سے یہ کہہ دینا کہ "لو سنبھا لو یہ مال و متاع، میرے لیے اللہ اور اس کا رسول ہی کافی ہیں" وہ عظیم عملی شہادتِ حق ہے جسے ادا کرنے کے لیے صدیق و فاروق کا جگر چاہیے۔ تحریکِ اسلامی کی ذبیحہ کامیابی کے لیے جس ٹیم کی ضرورت ہے اس کی صفات قرآن و حدیث میں بہت وضاحت سے بیان کر دی گئی ہیں اور خود حضور اکرم کی تحریک کے کارکنوں نے اپنے عمل کی زبان سے اس کی تصویر کھینچ دی ہے۔ اس شخصیت کو فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ ان صفات سے نظر چڑا کر گزرنے والا کوئی شخص بھی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ قوم کے اندر اسلامی تحریک چلانے والوں کی تناسب (PROPORTIONATE)

تعداد ان لوگوں کا اپنے مقصد کے لیے اخلاص و جذبہ اور زبردست ایتار و قربانی، اور ہر آزمائش میں عزیمت و استقامت کا عملی مظاہرہ، یہ تین چیزیں فراہم ہو جائیں تو تحریک کی دوسری کامیابی کا امکان یقین کے درجے تک پہنچ جاتا ہے۔ لیکن ان عناصر میں جس درجہ کمی ہوگی خوشگوار نتائج کی دوری اور طوالت اسی قدر بڑھ جائے گی۔ اگر یہ چیزیں مطلوبہ معیار سے بہت کم ہوں تو عام مُصلحِ امتی داعی تو الگ رہا خود نبی کی قیادت میں بھی نتیجہ اسلامی

نظام کے قیام کی صورت میں برآمد نہیں ہوتا۔ ایشیا و قربانی و حقیقت معاشی ضروری کھانے اور تحریک کے راستے میں جان و مال کھپانے کا نام ہے۔ رشتہ و ناظمہ اور الفت و محبت کے تعلقات مقصدِ زندگی کے لیے استوار کرنے اور اسی کے لیے قطع کر دینے کا نام ہے۔ صرف اللہ کی رضا چاہنے اور دوسرے ہر شخص کی رضا کو اللہ کی رضا کے تابع کر دینے کا نام ہے۔ اپنے آپ کو اللہ کے ہاتھ بکا ہوا سمجھنے اور فروخت شدہ غلام کی حیثیت سے ہی اس کے ساتھ معاملہ کرنے کا نام ہے۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ
وَأَمْوَالَهُمْ بِآثَارِهِمْ خَيْرًا ۚ أَن يَأْتُوا بِلَاغٍ ۚ
وَأَن يَكُونَ لَهُمْ جَنَّةٌ ۖ (توبہ: ۱۲)

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے میں خرید لیے ہیں۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مومن صرف ایک اللہ کی بندگی ہی کر سکتا ہے، وہ کسی دوسرے کی بندگی اور اطاعت خدا سے آزاد ہو کر نہیں کر سکتا، اور نہ وہ اس صورت میں ہی چین سے بیٹھ سکتا ہے جب اس کے اپنے بادشاہ کا حکم اس پر جاری ہونے کے بجائے اس کے بادشاہ کے کسی باغی کا حکم اس پر جاری ہو رہا ہو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خوب فرمایا تھا کہ

”کوئی آدمی دو مالکوں کی خدمت نہیں کر سکتا تم خدا اور دولت (خواہشِ نفس) دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے“

ظاہر ہے کہ اللہ کی بندگی کا معاہدہ اللہ کے ساتھ بیع کا معاملہ ہے اور یک جانے کے بعد اس کی اپنی مرضی نہیں بلکہ خریدنے والے کی مرضی چلے گی۔ بلکہ یہ بھی وہ خود ہی طے کرے گا کہ بندے میں مصائب برداشت کرنے کی استعداد کس قدر ہے۔ لَا يَكْفِيكَ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وَنَعْبًا كَمَا يَهِي مَطْلَبٌ هِيَ۔ وہ اپنے غلام پر وہ مصیبت ڈالے گا ہی نہیں جو اس کی وسعت سے باہر ہو اور جو مصیبت اس کی طرف سے آئے گی وہ اس ناپ تول اور فیصلے کے بعد ہی آئے گی کہ اس کی برداشت بندے کی وسعت میں موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے بندے تو اپنے مالک کے راستے میں گردنیں کٹاتے، پھانسیوں پر لٹکتے اور شہادت کے مراتب حاصل کرنے چلے آئے ہیں۔ اور یہ کہ وہ اپنے کس بندے کو پھانسی کے تختے تک لے جاتے اور کس بندے کو معمولی قید و بند سے ہی واپس لے آتے۔ استعداد کے بارے میں یہ فیصلہ بندے کے حوالے نہیں کیا گیا ہے۔ یہ فیصلہ مالک خود کرتا ہے اگر یہ فیصلہ خود بندے کے حوالے ہوتا تو کتنے لوگ ہوتے جو درجاتِ عالیہ سے بہرہ ور ہوتے اور شہادت و صدیقیت کے مدارجِ عالیہ پر فائز ہو سکتے؟

مٹائیں | دعوتِ دین کا راستہ ہی آزمائش و ابتلاء، ٹھکراؤ اور دعوتِ مبارزت، تصادم اور جان دینے اور لینے اور سرستجیلی پر رکھ کر چلنے کا راستہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تحریک ابھی بالکل ابتدائی مرحلے پر ہی تھی جب وہ اپنے ساتھیوں سے یہ کہتے ہوتے سنائی دیتے ہیں:-

”یہ نہ سمجھو کہ میں زمین میں صلح کرانے آیا ہوں۔ صلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں۔ میں اس لیے آیا ہوں کہ آدمی کو اس کے باپ سے اور بیٹی کو اس کی ماں سے اور بیٹو کو اس کی ساس سے جدا کروں اور آدمی کے دشمن اس کے گھر ہی کے لوگ ہونگے۔ جو کوئی باپ ماں کو مجھ سے عزیز رکھتا ہے وہ میرے لائق نہیں اور جو کوئی اپنی صلیب نہ اٹھائے اور میرے پیچھے نہ چلے وہ میرے لائق نہیں۔ جو کوئی اپنی جان بچاتا ہے اسے کھوٹے گا اور جو کوئی میرے سبب اپنی جان کھوتا ہے وہ اسے بچائے گا (انجیل متی ۱۰: ۳۴-۳۹)۔“

”دیکھو نہیں تمہیں بھیجتا ہوں گویا بھیڑیوں کے پیچ میں۔۔۔ آدمیوں سے خبردار رہو وہ تمہیں عدالتوں کے حوالے کریں گے، کوڑے ماریں گے اور میرے سبب حاکموں اور بادشاہوں کے سامنے حاضر کریں گے“

”اپنی صلیب آپ اٹھاؤ یعنی سرستجیلی پر رکھ لو، اور میرے پیچھے آؤ۔ جو شخص میرے لیے اپنے ماں باپ بہن بھائی اور اپنی جان سے بھی دشمنی نہ کرے وہ میرا شاگرد نہیں“

”جو بدن کو قتل کرتے ہیں اور روح کو قتل نہیں کر سکتے ان سے نہ ڈرو بلکہ اس سے ڈرو جو روح اور بدن دونوں کو جہنم میں ہلاک کر سکتا ہے“

اللہ کے راستے میں جان کے ساتھ ساتھ مال بھی کھپانے کے بارے میں فرمایا:

”اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہاں چور نقب

لگاتے اور چراتے ہیں بلکہ اپنے لیے آسمان پر مال جمع کرو“ (انجیل متی)

یہ تقریباً وہی بات ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں فرمائی:

”اپنے وارث کے مال کو نہیں بلکہ اپنے مال کو پسند کرو اور تمہارا اپنا مال وہ ہے جو تم نے اللہ

کی راہ میں آخرت کے لیے خرچ کر دیا“

ایک دوسرے موقع پر تحریک کے لیے مالی آزمائشوں کو برداشت کرنے کے لیے پیشگی تنبیہ کی۔

”حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور اکرم کے پاس آیا:

”میں آپ سے بہت محبت کرتا ہوں“ اس نے حضور سے کہا:

آپ نے فرمایا: ”جو تم کہتے ہو اس پر غور کر لو۔“

”بخدا میں آپ سے محبت کرتا ہوں“ اُس نے تین بار دہرایا۔

آپ نے فرمایا: ”اگر تم اپنی بات میں پتھے ہو تو فقر و فاقے کا مقابلہ کرنے کے لیے ہتھیار فراہم کر

لو۔ جو لوگ مجھ سے محبت کرتے ہیں ان کی طرف فقر و فاقہ سیلاب سے زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ بڑھتا ہے“

اسلامی نظام کے لیے جدوجہد کے آغاز کے ساتھ ہی اسی نوعیت کے نقطہ نظر کا اظہار حضرت عیسیٰ نے

بھی کیا تھا جب انہوں نے اپنے شاگردوں سے کہا۔

”کوئی آدمی دو مالکوں کی خدمت نہیں کر سکتا، تم خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے“

مزید فرمایا:-

”اپنی جان کی فکر نہ کرو کہ ہم کیا کھاتے ہیں یا کیا پہنیں گے اور نہ بدن کی کہ کیا پہنیں گے۔ ہوا کے

پزندوں کو دیکھو کہ نہ بوتے ہیں نہ کاٹتے ہیں نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں، پھر بھی تمہارا آسمانی باپ

ان کو کھلاتا ہے۔ کیا تم ان سے زیادہ قدر نہیں رکھتے۔ تم میں ایسا کون ہے جو فکر کرے اپنی عمر

میں ایک گھڑی بھی بڑھا سکے۔ اُسے کم اعتقادو، تم پہلے خدا کی بادشاہت اور اس کی راست باری

تلاش کرو تو پھر یہ سب چیزیں بھی نہیں مل جائیں گی۔“ (انجیل متی)۔

ظاہر ہے کہ یہ ایک انقلابی دعوت کا پیغام ہے جس میں انسانی جان زبردست کھکھیر سے دوچار ہوتی

ہے اور جن کو کھکھیر سے گریز ہو ان کا یہ راستہ نہیں ہے۔ ایسے کٹھن راستے باتوں سے نہیں سپہم عمل اور مسلسل

جدوجہد سے طے ہوتے ہیں۔

قرآن کی تشبیہات | دنیا میں اسلامی نظام کے قیام کے لیے جہاں زبردست جدوجہد سپہم اہتمام و فریبی تمام ضروری

اسباب و وسائل کی فراہمی اور حالات کی سازگاری مطلوب ہے وہاں آخرت کے لیے بھی ایمان، خلوص اور عمل

صالح کے ساتھ ساتھ راہِ حق میں قربانیوں کا قابلِ قدر ریکارڈ درکار ہے۔ اسلامی نظام کی جدوجہد میں جو متانہ

آزمائش آتے ہیں ان میں معاشی ذرائع کی بندش اور تباہی، ملازمتوں کا چھوٹنا اور کاروباروں کا مندا پڑنا تو اس

راستے کے معمولی سنگ میل ہیں جنہیں دیکھ کر ہی راستے کی شناخت ہوتی ہے۔ ورنہ حقیقی راستہ تو مزید اس سے بھی

بہت آگے اور منزل تو اس کے بھی آخری سرے پر ہے۔ اللہ تعالیٰ خود اپنے خالص بندوں کو آزمائشوں کے ذریعے ہی ٹھونک بجا کر دیکھتا ہے۔ زبانی دعویٰ میں تو منافقین بھی کسی سے کم نہیں کچھ آگے ہی ہوتے ہیں فرمایا گیا:

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخَلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا
يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسْتَكْتَبِينَ
الْبِئْسَ مَا لِلظَّالِمِينَ وَزُلُومًا حَتَّى يَقُولَ
الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصُرُوا
اللَّهُ الْآيَاتُ نَصَرُوا اللَّهَ قَرِيبٌ - (البقرہ - ۲۱۳)

کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم جنت میں یونہی داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی وہ حالات تو تم پر گزر رہے ہی نہیں جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکے ہیں ان پر سختیاں اور مصیبتیں آئیں اور وہ ہلا مارے گئے یہاں تک کہ رسول اور اس کے ساتھی پکار اٹھے کہ کب آئے گی اللہ کی مدد، سنو اللہ کی مدد قریب ہی ہے۔

مزید فرمایا گیا:

أَحْسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا
آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ هَ وَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ
قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَ
لَيَعْلَمَنَّ الْكَذِبِينَ (العنکبوت - ۲-۳)

کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ بس یہ کہنے پر وہ چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور انہیں آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ ہم نے ان سب لوگوں کو آزمایا ہے جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اللہ کو تو یہ ضرور دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور چھوٹے کون۔

اسی بیان کی تائید سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا یہ بیان کرتا ہے جب انہوں نے فرمایا مبارک ہیں وہ جو راستبازی کے سبب ستائے گئے ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہت انہیں کی ہے۔

جو کوئی اپنی جان بچاتا ہے اسے کھوئے گا اور جو کوئی میرے سبب اپنی جان کھوتا ہے اسے بچائے گا۔
(انجیل متی)

مالک کائنات جو وقتاً فوقتاً اپنی حکمت کے ماتحت انسانی آبادیوں میں اسلامی تحریک خود برپا کرتا ہے تاکہ اپنے بندوں کی اصلاح کے لیے انتظام فرمائے۔ ایسی تحریک سے وابستہ ہونے والوں کو ہمیشہ جن آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے ان کا تذکرہ قرآن میں کیا گیا ہے۔

وَلَنْبَلُوَكُمْ بَشِيْرٌ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ
ہم ضرور تم کو خطروں اور فاقوں اور تمہارے مال و جان اور

کسی انصاف کی توقع ہی عبث ہوتی ہے۔ مردِ مومن الہی قانون کے علاوہ کسی دوسرے اقتدار کو جائزاً اقتدار تسلیم نہیں کرتا۔ اس لیے اس کے لیے باطل کی عدالتوں سے حصولِ انصاف کی خاطر رجوع کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ تقسیم ملک سے پہلے انگریز کے اقتدار میں تحریکِ اسلامی کے کارکنوں نے اپنے آپ کو عدالتوں کی طرف رجوع سے انکسار کیا تھا اور طاعتی قانون کی حفاظت میں جانے سے اپنے آپ کو خود محروم کر لیا تھا۔

غالب نظام کے مقابلے میں یہ طرزِ عمل خود آزمائشوں کو دعوتِ دنیہ ہے۔ نظامِ غالب اپنے باغی کو خود پہچان پتیا ہے اور پھر اس کے خلاف اس کے سارے حربے فرعونی جادو گردوں کے سانپوں کی طرح حرکت میں آ جاتے ہیں اس لیے کہ کلمہ حق بیان کرنا اور اعترافِ حق کر کے غلبہ حق کے لیے جدوجہد کرنا اخلاص کی پہلی شرط ہے اور جیسے ہی دعواتِ ایمان پیش ہوتا ہے زمانہ دلیلِ ایمان فوراً طلب کرتا ہے۔

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ (آل عمران ۱۶۹)

اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے کہ مومنوں کو اسی طرح رہنے دے جس طرح وہ اب ہیں۔ وہ باز نہ رہے گا جب تک طیب و خبیث کو چھانٹ کر الگ الگ نہ کر دے۔

پھر سورہ توبہ میں تو بالکل ہی صاف صاف لکھا کہ وہ مومنین کو تباہ یا گیا کہ دعوائی ایمان پھولوں کی بیج اور محض بیانِ سخن شیریں نہیں ہے بلکہ یہ ایک عظیم مشن کی علم برداری کا اعلان ہے اور وہ مشن دنیا کی تمام مہکتیوں کو سمار و منہدم کر کے صرف اللہ کی مستزادائی کا جھنڈا بلند کرنے کا مشن ہے۔ یہ دنیا کی تمام بڑی سے بڑی مادی طاقتوں کی گردن میں ہاتھ ڈالنے والی جبارت ہے۔ یہ بھڑوں کے چھتے میں نہیں بلکہ شیر کے بھٹ میں چھلانگ لگانے والی جرات ہے۔ اس لیے اس تصادم میں مادی نقصانات کا ہونا اس کام کا فطری نتیجہ ہے چنانچہ ہر پسندیدہ چیز جو اللہ کی راہ میں قربان ہونی چاہیے گننا گنوا کر تباہی گئی ہے۔

قرآن فرماتا ہے:

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَصَلِينَ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ

”ان سے کہہ دو کہ اگر تمہیں اپنے باپ، بیٹے، بھائی، بیویا، رشتہ دار اور وہ مال جو تم نے کماتے ہیں اور وہ تجارت جس کے مندرے پڑ جانے کا تمہیں ڈر لگا ہوا ہے اور وہ گھر بار جنہیں تم پسند کرتے ہو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو بیٹھے انتظار کرتے رہو“

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ -
یہاں تک کہ خدا اپنا کام پورا کرے یقین رکھو کہ اللہ
فاسقوں کو کبھی ہدایت نہیں بخشتا۔ (التوبہ: ۳)

اور پھر اللہ نے جن لوگوں کو اپنے پسندیدہ اور فائز المرام بندے قرار دیا، ان کے کارناموں کی طرف اس
طرح اشارہ کیا گیا ہے۔

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمَ
دَرَجٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰئِزُوْنَ
جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے حق کی خاطر گھریا
چھوڑا اور اللہ کی راہ میں جان و مال سے لڑے ان کا
درجہ اللہ کے نزدیک زیادہ بڑا ہے اور وہی لوگ
حقیقت میں کامیاب ہیں۔ (التوبہ: ۲۰)

ان آیات میں تحریکِ اسلامی کے کارکنوں کو جو قربانیاں دینے کی دعوت دی گئی ہے وہ یہ ہیں:

- ۱۔ باپ، بیٹے، بھائی اور بیویاں جو محبت کے بہترین دنیوی رشتے ہیں،
- رشتہ اور برادری کے لوگ جو دنیوی بندھن میں بندھے ہوئے ہوتے ہیں۔
- کھاتے ہوئے مال جو دنیوی ضروریات کی کفالت کرتے ہیں۔
- تجارت کا مندا پڑنا جو کسی کو بھی گوارا نہیں ہوتا اور جس سے معاشی ترقی وابستہ ہوتی ہے۔
- گھبراہ اور مکانات جو آرام و راحت کا مسکن ہوتے اور محنت و مشقت سے بنائے ہوئے
- ہوتے ہیں اور جن کے ساتھ آبائی اور دیرینہ جمعیتیں وابستہ ہوتی ہیں۔

ان کی محبت میں گرفتار ہو کر اللہ کے دین کے لیے جہاد اور جدوجہد سے گریز کرنا فتنہ و فحور اور ہدایتِ الہی
سے محرومی کا کام قرار دیا گیا ہے اور ایسے لوگوں کو دھکی دی گئی کہ وہ اللہ کا کام پورا ہونے تک انتظار
کریں پھر وہ اپنا انجام بذخود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ (باقی)